بین الانسانی ربط وتعاون کی بنیادیں قرآن مجید کی روشنی میں

سید مسعود احمد

اسلام حسنِ اخلاق اور امن وآشتی کا علمبردار نظام حیات اور دین رحمت ہے۔ وہ یہ چاہتا ہے کہ دنیا میں حسنات ومعروفات کا فروغ اور سیئات ومنکرات کا سد باب ہو۔ لہٰذا تَعَاوَنُواْ عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوَىٰ وَلاَ تَعَاوَنُواْ عَلَى الإِثْمِ وَالْعُدْوَان (المائدہ/۲) یعنی نیکی وتقویٰ کے معاملات میں تعاون کرو اور گناہ اور عدوان میں تعاون نہ کرو'' کی قرآنی بنیاد پر دنیائے انسانیت سے اشتراک وتعاون کا خواہاں ہے۔ یہ قرآنی اصول جو مسلمانوں کے لیے حکم کا درجہ رکھتا ہے اور ہر آن مطلوب ہے۔ یہی اصول لوگوں کے ساتھ تعاون و عدم تعاون میں بلاتفریق مذہب وملت ایک واضح رہنمائی بھی فراہم کرتا ہے۔ مزید برآں برّ[1] اور تقویٰ[2] کی جامعیت اس اشتراک وتعاون کو بے پناہ وسعت کا حامل بنادیتی ہے جب کہ اثم[3] عدوان[4] کی جامعیت کی روشنی میں قرآنی عدم تعاون کا حکم امت مسلمہ کو اخلاق وضوابط کا پابند بناتا ہے۔ بالفاظ دیگر قرآن حکیم نہ صرف نیکوکاری اور پرہیزگاری کے امور میں عالم انسانیت کو پورا پورا تعاون دینے کا حکم دیتا ہے بلکہ مخرب اخلاق اور ناپسندیدہ امور میں ہر قسم کے تعاون سے روکتا بھی ہے۔ مزید برآں یہ خاموش رہنے کے بجائے سلبی اور ایجابی دونوں امور میں کچھ کرگزرنے نیز حق کی شاہراہ پر تیز گامی سے چلنے چلانے اور حوصلہ افزائی کا علمبردار ہے خصوصاً منکر وباطل کو بہت ہی ناپسندیدگی کی نظر سے دیکھتا ہے۔ حق اور معروف سے رغبت اور باطل ومنکر سے نفرت اس کے دین فطرت ہونے پر دال ہے۔ اس آیت سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اسلام میں منفی اور مثبت یا سلبی

اور ایجابی دونوں طریقوں سے احکام الٰہی کا نفاذ مشروع ہے اور احکام اسلامی میں بار بار اللہ کا حوالہ اس کو جو تقدس اور اہمیت عطا کرتا ہے اور قوت نافذہ فراہم کرتا ہے اس کا ملحدین اور دہریوں کے لیے سمجھنا تک محال ہے۔ تعاون وعدم تعاون کے حکم کا معاملہ مذکورہ بالا آیت تک ہی محدود نہیں ہے بلکہ متعدد آیات اس کی موید ہیں۔ مثلاً:

۱- إِنَّ اللّٰهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالإِحْسَانِ وَإِيْتَاءِ ذِيْ الْقُرْبَى وَيَنْهَى عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنكَرِ وَالْبَغْيِ يَعِظُكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُونَ (النحل/۹۰)

(یقیناً اللہ عدل و احسان کا اور قرابت داروں کو دینے کا حکم دیتا ہے اور فحاشی اور منکرات اور زیادتی سے روکتا ہے۔)

۲- قُلْ إِنَّمَا حَرَّمَ رَبِّيَ الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ وَالإِثْمَ وَالْبَغْيَ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَأَن تُشْرِكُواْ بِاللّٰهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهِ سُلْطَاناً وَأَن تَقُولُواْ عَلَى اللّٰهِ مَا لاَ تَعْلَمُونَ (الاعراف/۳۳)

(آپؐ فرما دیجئے کہ میرے رب نے تو فواحش کو حرام کر دیا ہے چاہے ظاہراً ہو یا باطناً اور ہر گناہ اور زیادتی کو، اور یہ کہ اللہ کے ساتھ تم کسی ایسے کو شریک کرو جس کے لیے اس نے کوئی سند نازل نہیں کی ہے اور یہ کہ اللہ کے نام پر کوئی ایسی بات کہو جس کے متعلق تمہیں علم نہ ہو (کہ وہ حقیقت میں اسی نے فرمائی ہے)۔)

۳- قُلْ أَمَرَ رَبِّيْ بِالْقِسْطِ (الاعراف/۲۹)

(آپ کہہ دیجئے کہ میرے رب نے تو عدل وقسط کا حکم دیا ہے۔)

۴- يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُواْ اتَّقُواْ اللّٰهَ وَكُونُواْ مَعَ الصّٰدِقِيْنَ (التوبہ/۱۱۹)

(اے ایمان والو! اللہ کا تقویٰ اختیار کرو اور راست بازوں کا ساتھ دو۔)

۵- يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَقُولُوا قَوْلاً سَدِيْداً (الاحزاب/۷۰)

(اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور ٹھیک بات کیا کرو۔)

۶- يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُواْ أَوْفُواْ بِالْعُقُودِ (المائدہ/۱)

(اے ایمان لانے والو عہد و پیمان کی پابندی کرو۔)

۷- إِنَّ اللّٰهَ يَأْمُرُكُمْ أَن تُؤدُّواْ الأَمٰنٰتِ إِلَى أَهْلِهَا وَإِذَا حَكَمْتُم بَيْنَ النَّاسِ أَن

تَحْكُمُواْ بِالْعَدْلِ (النساء/۵۸)

(یقیناً اللہ تعالیٰ تم کو حکم دیتا ہے کہ تم امانتیں اہل امانت لوگوں کو ہی دو اور جب لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو تو عدل پر ہی کرو۔)

۸- وَأَوْفُواْ الْكَيْلَ وَالْمِيزَانَ بِالْقِسْطِ (الانعام/۱۵۱)

اور عدل وقسط کے ساتھ ناپ تول کرو۔

اب اگر اثم وعدوان اور فحشاء وبغی منکرات میں سے ہیں جیسا کہ قرآن حکیم کی آیات سے بالکل واضح ہے تو نہ صرف ہمیں ان امور میں کسی شخص یا گروہ کا تعاون نہیں کرنا ہے بلکہ منکرات کے تعلق سے قرآن حکیم کا بھی واضح حکم ہے کہ ہمیں ''نہی عن المنکر۵'' پر کاربند ہونا ہے یعنی مسلم وغیر مسلم سبھی لوگوں کو منکرات سے روکنا ہے۔ اسی طرح نہ صرف المعروف۶ پر ہمیں عمل پیرا ہونا ہے بلکہ دوسروں کو بھی معروفات پر عمل پیرا ہونے کا حکم دینا ہے چنانچہ قرآن مجید کی مندرجہ ذیل آیات ملاحظہ ہوں۔ فرمایا:

۱- وَلْتَكُن مِّنكُمْ أُمَّةٌ يَدْعُونَ إِلَى الْخَيْرِ وَيَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنكَرِ وَأُوْلَـئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ (آل عمران/۱۰۴)

(تم کو مل کر ایسی جماعت میں ڈھل جانا چاہیے جو خیر کی طرف بلائے، معروف کا حکم دے اور منکر سے روکے اور یہی لوگ کامیاب ہوں گے۔)

۲- كُنتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنكَرِ وَتُؤْمِنُونَ بِاللّهِ وَلَوْ آمَنَ أَهْلُ الْكِتَابِ لَكَانَ خَيْراً لَّهُم مِّنْهُمُ الْمُؤْمِنُونَ وَأَكْثَرُهُمُ الْفَاسِقُونَ (آل عمران/۱۱۰)

(تم وہ بہترین امت ہو جو دنیا میں بھلائی کے لیے نکالے گئے ہو کہ تم معروف کا حکم دیتے ہو اور منکر سے روکتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو۔ اور اگر اہل کتاب ایمان لاتے تو ان کے حق ہی میں بہتر ہوتا۔ ان میں سے (بعض تو) مومن ہیں مگر اکثر فاسق ہیں۔)

۳- وَالْمُؤْمِنُونَ وَالْمُؤْمِنَاتُ بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاء بَعْضٍ يَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنكَرِ وَيُقِيمُونَ الصَّلاَةَ وَيُؤْتُونَ الزَّكَاةَ وَيُطِيعُونَ اللّهَ وَرَسُولَهُ أُوْلَـئِكَ سَيَرْحَمُهُمُ اللّهُ إِنَّ اللّهَ عَزِيزٌ حَكِيمٌ (التوبہ/۷۱)

(مومن مرد اور مومن عورتیں، یہ سب ایک دوسرے کے رفیق ہیں۔ بھلائی کا حکم دیتے ہیں اور برائی سے روکتے ہیں، نماز قائم کرتے ہیں، زکوۃ دیتے ہیں اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرتے ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جن پر اللہ کی رحمت نازل ہو کر رہے گی، یقیناً اللہ سب پر غالب اور حکیم و دانا ہے۔)

۴- فَلَوْلاَ كَانَ مِنَ الْقُرُونِ مِن قَبْلِكُمْ أُولُواْ بَقِيَّةٍ يَنْهَوْنَ عَنِ الْفَسَادِ فِي الأَرْضِ إِلاَّ قَلِيلاً مِّمَّنْ أَنجَيْنَا مِنْهُمْ (ہود/۱۱۶)

(پھر کیوں نہ قوموں میں جو تم سے پہلے گزر چکی ہیں ایسے اہل خیر موجود رہے جو لوگوں کو زمین میں فساد برپا کرنے سے روکتے؟ ایسے لوگ نکلے بھی تو بہت کم، جن کو ہم نے ان قوموں میں سے بچالیا۔)

۵- وَمَا كَانَ رَبُّكَ لِيُهْلِكَ الْقُرَى بِظُلْمٍ وَأَهْلُهَا مُصْلِحُون (ہود/۱۱۷)

(تیرا رب ایسا نہیں ہے کہ بستیوں کو ناحق تباہ کردے حالاں کہ ان کے باشندے اصلاح کرنے والے ہوں۔)

مذکورہ بالا آیات سے یہ واضح ہوتا ہے کہ نہ صرف امر بالمعروف اور نہی عن المنکر اللہ تعالیٰ کا حکم ہے اور اس کی رضا حاصل کرنے کا طریقہ ہے بلکہ یہی دنیا میں اللہ کے عذاب سے بچنے اور دنیا میں زندگی و بقا کی ضمانت بھی دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی یہ سنت ہے کہ وہ صرف اصلاح کرنے والوں کو اس دنیا میں باقی رکھتا ہے اور فساد کرنے والوں ہی کو نہیں بلکہ فساد کو دیکھ کر خاموشی اختیار کرنے والوں کو بھی نیست و نابود کردیتا ہے۔ چنانچہ سورہ اعراف میں اس کی مثال موجود ہے۔ ملاحظہ ہو:

وَإِذَ قَالَتْ أُمَّةٌ مِّنْهُمْ لِمَ تَعِظُونَ قَوْماً اللّهُ مُهْلِكُهُمْ أَوْ مُعَذِّبُهُمْ عَذَاباً شَدِيداً قَالُواْ مَعْذِرَةً إِلَى رَبِّكُمْ وَلَعَلَّهُمْ يَتَّقُونَ. فَلَمَّا نَسُواْ مَا ذُكِّرُواْ بِهِ أَنجَيْنَا الَّذِينَ يَنْهَوْنَ عَنِ السُّوءِ وَأَخَذْنَا الَّذِينَ

اور انہیں یہ بھی یاد دلاؤ کہ جب ان میں سے ایک گروہ نے دوسرے گروہ سے کہا تھا کہ تم ایسے لوگوں کو کیوں نصیحت کرتے ہو جنہیں اللہ ہلاک کرنے والا یا سخت سزا دینے والا ہے تو انہوں نے جواب دیا تھا کہ ہم یہ سب کچھ تمہارے رب کے حضور اپنی معذرت پیش کرنے کے لیے کرتے ہیں اور اس امید پر کرتے ہیں کہ

ظَلَمُواْ بِعَذَابٍ بَئِيسٍ بِمَا كَانُواْ يَفْسُقُونَ (الاعراف/۱۶۴-۱۶۵)

شاید یہ لوگ اس کی نافرمانی سے پرہیز کرنے لگیں۔ آخر کار جب وہ ان ہدایات کو بالکل ہی فراموش کر گئے جو انہیں یاد کرائی گئی تھیں تو ہم نے ان لوگوں کو بچالیا جو برائی سے روکتے تھے اور باقی سب لوگوں کو جو ظالم تھے ان کی نافرمانیوں پر سخت عذاب میں پکڑ لیا۔

قرآن مجید اہلِ اسلام سے بار بار یہ مطالبہ کرتا ہے کہ وہ عدل وانصاف کے علمبردار اور اللہ واسطہ کے گواہ بنیں یعنی صرف حق کی سربلندی کی خاطر اور انصاف دلانے کے لیے حق کے گواہ بن جائیں، خواہ حق وراستی کی گواہی ان کے اپنے دشمنوں کے حق میں ہی کیوں نہ دینی پڑے یا معاملہ یہ ہو کہ حق کی گواہی خود ان کے خلاف یا ان کے اعزہ واقارب ہی کے خلاف کیوں نہ پڑتی ہو مگر عدل کی پیروی اور کلمات حق کہنے سے پہلو تہی نہ کریں۔ درحقیقت مسلمانوں سے یہ مطالبہ ان کے ایمان کا سخت امتحان ہے تاکہ جو لوگ اس امتحان میں کھرے اتریں وہی حقیقی مومن و مسلم قرار پائیں۔ مزید برآں حق کی یہ گواہی اور عدل وانصاف کی علمبرداری غیر مشروط ہے، ہر حالت اور ہر جگہ مطلوب ہے یعنی مسلمانوں کے درمیان اور غیر مسلموں کے درمیان بھی۔ اور اگر کوئی مسلم حق وانصاف کے لیے پکارتا ہے تو اس کی دادرسانی کرنی ہے اور اگر کوئی دشمن انصاف کا طلب گار ہے تو بھی پیچھے نہیں ہٹنا ہے۔

مندرجہ ذیل آیات ملاحظہ فرمائیں۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُواْ كُونُواْ قَوَّامِينَ بِالْقِسْطِ شُهَدَاءَ لِلّٰهِ وَلَوْ عَلَى أَنفُسِكُمْ أَوِ الْوَالِدَيْنِ وَالأَقْرَبِينَ إِن يَكُنْ غَنِيّاً أَوْ فَقَيراً فَاللّهُ أَوْلَى بِهِمَا فَلاَ تَتَّبِعُواْ الْهَوَى أَن تَعْدِلُواْ وَإِن تَلْوُواْ أَوْ تُعْرِضُواْ فَإِنَّ اللّهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيراً (النساء/۱۳۵)

اے لوگو جو ایمان لائے ہو، انصاف کے علم بردار اور خدا واسطے کے گواہ بنو، گرچہ تمہارے انصاف اور تمہاری گواہی کی زد تمہاری اپنی ذات پر یا تمہارے والدین اور رشتہ داروں پر ہی کیوں نہ پڑتی ہو۔ فریقِ معاملہ خواہ مال دار ہو یا غریب اللہ تعالیٰ تم سے زیادہ ان کا خیر خواہ ہے۔ لہٰذا اپنی خواہش نفس کی پیروی میں ناانصافی نہ کرو۔ اور اگر تم نے لگی لپٹی بات کہی یا سچائی سے پہلو بچایا تو جان رکھو کہ جو کچھ تم کرتے ہو اللہ کو اس کی خبر ہے۔

اور سورہ المائدہ میں ارشاد الٰہی ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُونُوا قَوَّامِينَ لِلّهِ شُهَدَاء بِالْقِسْطِ وَلاَ يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَآنُ قَوْمٍ عَلَى أَلاَّ تَعْدِلُوا اعْدِلُوا هُوَ أَقْرَبُ لِلتَّقْوَى وَاتَّقُوا اللّهَ إِنَّ اللّهَ خَبِيرٌ بِمَا تَعْمَلُونَ (المائدہ/۸)	اے لوگو جو ایمان لائے ہو، اللہ کی خاطر راستی پر قائم رہنے والے اور انصاف کی گواہی دینے والے بنو۔ کسی گروہ کی دشمنی تم کو اتنا مشتعل نہ کردے کہ انصاف سے پھر جاؤ، عدل کرو یہ خدا ترسی سے زیادہ مناسبت رکھتا ہے۔ اللہ سے ڈر کر کام کرتے رہو، جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اس سے پوری طرح باخبر ہے۔

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے جہاں ایک طرف عدل وقسط[۸] کے قیام کا حکم دیا ہے تو اس سے بڑھ کر احسان[۹] کو پسند کیا ہے اور اسی طرح جہاں منکرات سے روکا ہے تو فحشاء[۱۰] کے خلاف بھی اسی شدومد سے کراہت کا اظہار کیا ہے۔ نیز سورہ النحل کی آیت نمبر ۹۰ میں بھی حکم اور خطاب سبھی لوگوں کے لیے عام ہے۔ فواحش پر قدغن لگانے اور اس کے قریب تک نہ جانے کا حکم اسی آیت پر منحصر نہیں بلکہ متعدد آیات قرآنی ہیں۔ چند آیات یہاں پیش کی جا رہی ہیں۔

قُلْ إِنَّمَا حَرَّمَ رَبِّيَ الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ (الاعراف/۳۳)	یعنی (اے نبیؐ) آپؐ یہ فرما دیجئے کہ میرے رب نے ہر قسم کے فواحش کو حرام قرار دیا ہے خواہ وہ کھلم کھلا ہوں یا ڈھکے چھپے۔
وَلاَ تَقْرَبُوا الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ (الانعام/۱۵۱)	اور فواحش کے قریب تک مت پھٹکو خواہ وہ کھلے ہوں یا چھپے۔
وَلاَ تَقْرَبُوا الزِّنَى إِنَّهُ كَانَ فَاحِشَةً وَسَاء سَبِيلاً (بنی اسرائیل/۳۲)	اور زنا کے قریب بھی نہ پھٹکو کہ وہ فحش حرکت ہے اور بہت ہی برا راستہ ہے۔

اخلاقی برائیوں میں سب سے بڑی برائی زنا بتائی گئی ہے۔ اسی طرح عملِ قوم لوط، قتلِ اولاد، یتیم کے ساتھ ظلم، گالی گلوج، بدعہدی، خیانت، استکبار، عیب جوئی، غیبت وغیرہ اخلاقی برائیاں ہیں جن کے خلاف اجتماعی کوششوں کے لیے دوسروں کو تعاون دینا یا

ان سے تعاون لینا ہر طرح سے اسلامی عمل قرار پاتا ہے۔ قرآن مجید کی تعلیمات تو اس حد تک فراخ دل واقع ہوئی ہیں کہ اسلام کے نزدیک مشرکین کے موہوم الٰہ اور ان کے حقیقی رہنماؤں تک کو برا بھلا کہنے کا جواز نہیں بنتا ہے۔ اخلاق وآداب کا یہی معیار اسلامی تعلیمات کا طرہ امتیاز ہے۔ قرآنی آیت ملاحظہ ہو۔

وَلاَ تَسُبُّواْ الَّذِينَ يَدْعُونَ مِن دُونِ اللّهِ فَيَسُبُّواْ اللّهَ عَدْواً بِغَيْرِ عِلْمٍ كَذَلِكَ زَيَّنَّا لِكُلِّ أُمَّةٍ عَمَلَهُمْ (الانعام/۱۰۸)

اور (اے مسلمانو) یہ لوگ اللہ کے سوا جن کو پکارتے ہیں انہیں گالیاں نہ دو، کہیں ایسا نہ ہو کہ یہ شرک سے آگے بڑھ کر جہالت کی بنا پر اللہ کو گالیاں دینے لگیں۔ اسی طرح ہم نے ہر گروہ کے عمل ان کی اپنی نظر میں خوشنما بنادیے ہیں۔

دین اسلام اپنے پیروؤں سے حق کی پیروی کے مطالبہ سے آگے بڑھ کر یہ چاہتا ہے کہ دوسروں کو بھی حق پر چلنے کی تلقین کریں اور وہ راہ حق میں ہر صعوبت کو برداشت کرنے پر نہ صرف آمادہ کرتا ہے بلکہ دوسروں کو بھی صبر کرنے کی تلقین کرتا ہے اور ایسے ہی لوگوں کو حقیقی کامیابی کی ضمانت دیتا ہے۔ اس سلسلہ میں وہ تاریخ انسانی کا ثبوت پیش کرتا ہے کہ جن لوگوں نے مذکورہ بالا عزیمت کا راستہ اختیار نہیں کیا وہ سب کے سب خسارہ میں رہے۔ چنانچہ قرآن مجید کا یہ پیغام ایک مختصر مگر عظیم الشان سورہ میں اس طرح ہے:

وَالْعَصْرِ إِنَّ الْإِنسَانَ لَفِي خُسْرٍ إِلَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ (العصر/۱-۳)

یعنی زمانہ گواہ ہے کہ انسان خسارہ میں ہے سوائے ان لوگوں کے جو ایمان لائے اور عمل صالح پر کاربند رہے اور جنہوں نے حق کی تلقین کی اور جو صبر کی وصیت کرتے رہے۔

یہ بھی قابل غور ہے کہ اسلام کے نزدیک حق !! کا دائرہ کار خود اس کی اپنی ذات سے شروع ہو کر دوسرے انسانوں تک بلکہ مخلوقات عالم تک دراز ہے اور اس سے آگے بڑھ کر خلاقِ عالم اور معبود حقیقی کی ذات برحق اور اس کے حقوق تک پھیلا ہوا ہے۔ حق کا ایک

دائرہ بین الانسانی سطح کا ہے جس میں ہر فرد حق و فرض کے رشتہ سے بندھا ہوا ہے یعنی ہر شخص کے دوسرے شخص کے تئیں کچھ حقوق عائد ہوتے ہیں اور انہی حقوق کے بقدر اس شخص کے فرائض ہیں۔ اسی طرح ہر شخص کے اپنے ذات کے تعلق سے حقوق و فرائض ہیں۔ اور سب سے بڑی سچائی (Truth) تو اس کائنات کی یہ ہے کہ اس کا خالق و مالک ایک ہے اور یکتا ہے اور وہی مالک ارض و سما ہے۔ اس کی مخلوق پر بالعموم اور اشرف المخلوقات انسان پر بالخصوص یہ فرض عائد ہوتا ہے کہ وہ اپنے خالق و مالک کے حضور خود کو بندگی کے لیے پیش کردے بلکہ اپنے معبود حقیقی کے حضور ایسی حق بندگی ادا کردے جو اس کی شرافت و کرامت کے شایان شان ہے۔ علاوہ ازیں وہ اس اظہار حق میں کوئی کوتاہی نہ کرے اور اس عالم ابتلا میں جو تنوع اور فرق پایا جاتا ہے اس میں نہ صرف حقوق و فرائض کا واجب تعین ہو بلکہ مبنی بر انصاف ترجیحات متعین کی جائیں اور جس کا جو حصہ فطری عذرات و احتیاجات، نیز صلاحیتوں اور قوتوں کی روشنی میں بنتا ہو اس کو ادا کرنے میں کسی قسم کی کوتاہی نہ کی جائے۔

اس دنیا میں پائی جانے والی تمام عدم یکسانیت اور جملہ اختلافات کے دو بنیادی اسباب پائے جاتے ہیں۔ اس کا ایک عامل تو قدرتی ہے جس پر انسان کا کوئی زور و اختیار نہیں مثلاً ایک بچہ صاحبِ حیثیت اور خوش حال گھر میں پیدا ہوا اور دوسرا بچہ کسی کمزور وخستہ حال گھر میں پیدا ہوا یا ایک بچہ جسمانی و ذہنی طور پر صحت مند اور تندرست و توانا پیدا ہوا اور دوسرا بچہ جسمانی و ذہنی طور پر بیمار و معذور پیدا ہوا۔ ایک بچہ خوبصورت و خوش مزاج پیدا ہوا اور دوسرا بدصورت و چڑچڑا۔ ان تمام معاملات میں انسانی اختیار و ارادہ کا کوئی دخل نہیں ہے، اس کے برخلاف ایک عدم یکسانیت انسانی ارادہ و اختیار کے دائرہ میں ہوتی ہے۔ مثلاً کسی غریب گھر میں پیدا ہونے والا شخص اپنی قوت ارادی اور محنت سے امیر کبیر بن سکتا ہے اور دوسرا شخص غریب ہی رہتا ہے۔ لہٰذا مفلسی اصلاً اختیاری معاملہ ہے جب کہ صحت و صورت جبری و تخلیقی امور ہیں۔ البتہ نسب و نسل کے نام پر اعلیٰ و ارذل کی تقسیم کرنا یا کمزوروں کو کمتر سمجھنا اور ان مصنوعی بنیادوں پر انسانوں کے درمیان تحقیر و تفاخر روا رکھنا ننگ انسانیت اور سرتاسر ظلم و بددیانتی ہے اور اس رویہ کو کسی طرح کسی مہذب معاشرہ میں

درست قرار نہیں دیا جاسکتا۔ اسی طرح اگر زندگی کی دوڑ میں بعض لوگ پیچھے رہ گئے ہیں اور اس معاملہ میں خواہ کتنا ہی ان کی اپنی کمزوری وکوتاہی کو دخل ہو اور چاہے اس کے محرکات و عِلل کتنے ہی جبرِ فطرت یا انسانی کاوش وخواہش پر مبنی ہوں مگر انسانی شرافت وکرامت کا تقاضا ہے کہ دنیا کی اس دوڑ میں آگے رہنے والے پیچھے رہنے والوں کا سہارا بنیں۔ انہیں ہر قسم کا مخلصانہ تعاون پیش کریں اور کسی احساسِ کمتری کا موقع نہ دیں، نہ ڈانٹیں اور نہ دھتکاریں کہ یہ یقیناً انسانی اخلاق وشرافت کا خون ہوگا اور معاملہ یہیں پر نہ رک جائے گا بلکہ مالک یوم الدین کے حضور سخت پکڑ کا سبب بنے گا۔ مزید برآں دارِ آخرت سے پہلے اس دنیا میں بھی اس ظلم کا نتیجہ فساد، قتل وغارت گری کی شکل میں ضرور نمودار ہوگا جس کے وبال سے یہ نام نہاد بڑے بھی نہ بچ پائیں گے بلکہ اس کے اصل ہدف یہی ہوں گے۔ بالفاظ دیگر ایسا اخلاق سوز رویہ نہ صرف دنیا وآخرت میں رسوائی کا سبب بنے گا بلکہ مہذب دنیا میں تعزیری قانون کے تحت سزا کا مستوجب ہے اور سنت اللہ کے تحت عذاب دنیوی کا موجب ہے لہٰذا خالقِ فطرت نے دین فطرت اسلام کے تحت امت مسلمہ پر یہ فریضہ عائد کیا ہے کہ معذورین و مستضعفین کے معاملہ میں بلا لحاظ مذہب وملت انسانی مساوات و ہمدردی کا رویہ اختیار کیا جائے۔

اسی نکتہ سے یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ مختلف گروہوں اور طبقات انسانی کی تقسیم، انسانی رویوں کی روشنی میں کس طرح کی جاسکتی ہے۔ یہاں اسی تعلق سے اسلامی رہنمائی پر مشتمل بعض اہم نکات پیش کیے جاتے ہیں۔ چوں کہ امت مسلمہ ایک نظریاتی گروہ ہے لہٰذا اس کے نزدیک انسانی گروہوں اور جماعتوں کی نظریاتی سطح پر تقسیم بھی نامناسب ہوگی۔ اس زاویہ سے غور کریں تو نظریاتی سطح پر دنیائے انسانیت کی چار اقسام ہی ممکن ہیں۔ اولاً اہل ایمان۔ ثانیاً اہل کتاب۔ ثالثاً اہل شرک۔ رابعاً دیگر مذہبی گروہ۔ اس موضوع کے تعلق سے یہاں سوال یہ ہے کہ انسانی سماج میں یہ چاروں قسم کے نظریاتی گروہ آپس میں امن وچین سے زندگی کیسے گزاریں اور ان کے درمیان تعاون واشتراک کی بہترین شکل کیا ہوسکتی ہے۔ اس سوال کا جواب ہمیں قرآنی تعلیمات کی روشنی میں فراہم

کرنا ہے۔

یہاں یہ واضح رہے کہ گزشتہ سطور میں امت مسلمہ کی دنیائے انسانیت سے اخلاقی امور میں تعاون واشتراک پر بحث تھی جو تَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى وَلَا تَعَاوَنُوا عَلَى الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ (المائدہ/۲) کے قرآنی حکم پر ہی مبنی تھی جس میں تعاون کی بنیاد بروتقویٰ اور عدم تعاون کی اساس ''اثم وعدوان'' قرار دی گئی۔ جب کہ یہاں ''بروتقویٰ'' کے روحانی واخلاقی عوامل کے بجائے جبری وفطری عوامل کا مسئلہ زیر بحث ہے اور صورت حال یہ ہے کہ نظریاتی عوامل بھی تعلقات انسانی پر اثر انداز ہونے کی پوزیشن میں ہیں کیوں کہ اس حقیقت سے کون انکار کرسکتا ہے کہ عقیدہ ونظریہ باپ کو بیٹے سے اور بھائی کو بھائی سے جدا کر دیتا ہے جب کہ یہی عقیدہ غیروں کو جوڑ کر حقیقی بھائیوں سے زیادہ محبت ومودت کی ضمانت دیتا ہے اور ایسی انسانی اخوت کو جنم دیتا ہے جس کی نظیر نہیں ملتی۔

عقیدہ کی قوت واثر پذیری کے تعلق سے آغاز بحث ہی میں یہ بتانا بھی مناسب ہوگا کہ انسانی زندگی میں یہ عامل اتنا قوی ہے کہ اگر اس پر کوئی قدغن لگانے کی کوشش کی جائے تو یہ اور زیادہ برانگیختہ ہو جاتا ہے اور صاحب عقل وخرد انسان اپنے عقل وحواس کھو بیٹھتا ہے۔ انسانی فکر وعقیدہ پر کسی قسم کے جبر واکراہ سے وہ اپنے مرتبۂ انسانیت سے گر کر ظلم وسرکشی کا رویہ بھی اختیار کرسکتا ہے، لہٰذا مہذب دنیا نے حریتِ فکر وعقیدہ کو ہمیشہ احترام بخشا ہے اور اس کے شایان شان اہمیت تسلیم کی ہے۔ اسلام نے بھی باوجود قوت نافذہ کے جو اسلامی حکومت واقتدار میں مسلمانوں کو حاصل ہوتی ہے، دین وعقیدہ کے معاملہ میں کسی جبر واکراہ کی اجازت نہیں دی ہے۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ لَا إِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ (البقرہ/۲۵۶)۔ اسی فطری نظریاتی عامل کی رعایت رکھتے ہوئے اسلام نے اپنے پیرووں کو دوسرے نظریاتی گروہوں سے معاملات کرنے کے لیے قرآنی تعلیمات پر مبنی اصول پیش کیے ہیں۔ اس تناظر میں انسانی تعلقات کی بہترین استواری میں جن عوامل ومحرکات کا خصوصی خیال رکھنا ہے وہ حسب ذیل ہیں اولاً فکر وعقیدہ۔ ثانیاً فطری عوارض وخلقی عذرات۔ ثالثاً معاشی حالت۔ رابعاً نفسیاتی ومعاشرتی قربتیں۔ انہی چاروں عوامل کی

روشنی میں انسانی تعلقات کی ترجیحات بھی طے ہوتی ہیں اور ان کی کیفیت وکمیت بھی۔ موٹے طور پر کیفیاتی اور کمیاتی سطح پر اسلامی فقہ میں اس درجہ بندی کے لیے جو اصطلاحیں وضع کی گئی ہیں وہ (۱) موالات (۲) مدارات اور (۳) مواساست کے نام سے مشہور ہیں۔

ظاہر بیں نگاہ میں تو یہ تقسیم سماج کو متحد کرنے کے بجائے بانٹنے اور مستحکم کرنے کے بجائے کمزور کرنے کے مترادف ہے مگر حقیقت میں معاملات کی اس درجہ بندی نے انسانی رشتوں کو حقیقی استحکام سے ہم کنار کرنے کی اور باہمی حقوق کی بہترین پاس داری کی ضمانت فراہم کی ہے۔

قرآن حکیم کی تعلیمات کی روشنی میں ایک مومن ومسلم فرد کا دوسرے مومن ومسلم شخص سے رشتۂ موالات (رفاقت وگہری دوستی) قائم ہونا چاہیے۔ یہ تعلقات کا ایجابی پہلو ہے۔ اس کا سلبی پہلو بھی اختیار کرنا ہے بلکہ قرآن اس پہلو پر ایجابی پہلو سے بھی زیادہ شدومد سے زور دیتا ہے کہ کوئی مومن ومسلم کسی کافر سے رشتۂ موالات قائم نہیں کرسکتا۔ قرآن اس کی بالکل اجازت نہیں دیتا، ہاں بے شک وہ ہر ایک کے ساتھ نیکی وانصاف سے نہیں روکتا کہ یہ عین اسلامی قدریں ہیں۔ مندرجہ ذیل آیات ملاحظہ ہوں:

۱- يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا آبَاءَكُمْ وَإِخْوَانَكُمْ أَوْلِيَاءَ إِنِ اسْتَحَبُّوا الْكُفْرَ عَلَى الْإِيمَانِ وَمَن يَتَوَلَّهُم مِّنكُمْ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ (التوبہ/۲۳)

(یعنی اے لوگو جو ایمان لائے ہو، اپنے آباء اور بھائیوں کو بھی اپنا رفیق نہ بناؤ اگر وہ ایمان پر کفر کو ترجیح دیں۔ تم میں سے جو ان کو رفیق بنائیں گے وہی ظالم ہوں گے۔)

۲- وَالْمُؤْمِنُونَ وَالْمُؤْمِنَاتُ بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاءُ بَعْضٍ يَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنكَرِ وَيُقِيمُونَ الصَّلَاةَ وَيُؤْتُونَ الزَّكَاةَ وَيُطِيعُونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ أُولَٰئِكَ سَيَرْحَمُهُمُ اللَّهُ إِنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ حَكِيمٌ (التوبہ/۷۱)

(مومن مرد اور مومن عورتیں، یہ سب ایک دوسرے کے رفیق ہیں۔ بھلائی کا حکم دیتے اور برائی سے روکتے ہیں، نماز قائم کرتے ہیں، زکوٰۃ

دیتے ہیں اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرتے ہیں۔ یہ وہ لوگ
جن پر اللہ کی رحمت نازل ہوکر رہے گی، یقیناً اللہ سب پر غالب اور حکیم و
دانا ہے۔)

۳- یَـا أَيُّهَـا الَّـذِيْـنَ آمَـنُـواْ لاَ تَتَّـخِـذُواْ الْـكٰـفِـرِيْـنَ أَوْلِيَـاءَ مِـن دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ (النساء/۱۴۴)

(اے لوگو جو ایمان لائے ہو، مومنوں کو چھوڑ کر کافروں کو اپنا رفیق نہ بناؤ۔)

۴- يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُواْ لاَ تَتَّخِذُواْ الْيَهُودَ وَالنَّصَارَى أَوْلِيَاءَ بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاءَ بَعْضٍ وَمَن يَتَوَلَّهُم مِّنكُمْ فَإِنَّهُ مِنْهُمْ إِنَّ اللّٰهَ لاَ يَهْدِيْ الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْن (المائدہ/۵۱)

(اے لوگو جو ایمان لائے ہو، یہودیوں اور عیسائیوں کو اپنا رفیق نہ بناؤ، یہ آپس ہی میں ایک دوسرے کے رفیق ہیں اور اگر تم میں سے کوئی ان کو اپنا رفیق بناتا ہے تو اس کا شمار بھی پھر انہی میں ہے، یقیناً اللہ ظالموں کو اپنی رہنمائی سے محروم کر دیتا ہے۔)

۵- يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوا لاَ تَتَّخِذُوا عَدُوِّيْ وَعَدُوَّكُمْ أَوْلِيَاءَ (الممتحنہ/۱)

(اے ایمان والو! میرے اور اپنے دشمنوں کو رفیق مت بناؤ۔)

۶- يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُواْ لاَ تَتَّخِذُواْ بِطَانَةً مِّن دُوْنِكُمْ لاَ يَأْلُوْنَكُمْ خَبَالاً (آل عمران/۱۱۸)

(اے لوگو جو ایمان لائے، اپنی جماعت کے لوگوں کے سوا دوسروں کو اپنا راز دار نہ بناؤ۔)

ان آیات سے بالکل واضح ہے کہ مومنوں کا مومنوں سے سچی رفاقت کا رشتہ قائم ہونا چاہیے اور ان کا غیر مسلموں بالخصوص دشمنان اسلام سے بشمول یہودی وعیسائی عدم موالات[۱۲] پر مبنی انسانی رشتۂ انسانیت قائم ہونا چاہیے۔ اب سوال یہ ہے کہ اسلام جو دین امن وآشتی اور دین فطرت ہے غیر مسلموں کے تئیں بظاہر منافرت کا رویہ اختیار کرتا ہے۔ ان آیات کے سیاق میں ان کے دو جوابات ہیں اولاً یہ ساری آیات حالتِ محاربہ کی ہیں کیوں کہ عیسائیوں، یہودیوں اور مشرکین سبھی نے دور رسالت میں اسلام کے خلاف ایک محاذ بنالیا تھا۔ چنانچہ مسلمین اور غیر مسلمین کے درمیان اعتماد کی فضا برقرار نہیں تھی۔ ایسی

حالت میں سخت احکام کا دیا جانا عین قرین قیاس تھا۔ ہماری اس دلیل کو سورہ الممتحنہ کی آیات نمبر ۸ اور ۹ سے مزید تقویت ملتی ہے۔فرمایا گیا ''اللہ تمہیں اس بات سے نہیں روکتا کہ تم (غیر مسلموں) کے ساتھ نیکی اور انصاف کا برتاؤ کرو جنہوں نے دین کے معاملہ میں جنگ نہیں کی ہے اور تمہیں تمہارے گھروں سے نہیں نکالا ہے۔اللہ انصاف کرنے والوں کو پسند کرتا ہے وہ تمہیں جس بات سے روکتا ہے وہ تو یہ ہے کہ تم ان لوگوں سے دوستی کرو جنہوں نے تمہیں تمہارے گھروں سے نکالا ہے اور دین کے معاملہ میں جنگ کی ہے اور تمہارے اخراج میں ایک دوسرے کی مدد کی ہے''۔ اور دوسرا پہلو یہ ہے کہ دو نظریاتی گروہ خواہ کتنے ہی قریب آجائیں ان کے عقیدہ کا فرق کبھی نہ کبھی عدم اعتماد کو جنم دے ہی دیتا ہے۔ لہٰذا اگر کسی گروہ کے کسی فرد نے سادہ لوحی میں اپنی جماعت کا اہم راز بتادیا تو اس سے کسی بھی فرد یا جماعت کو کوئی فائدہ نہ پہنچ سکے گا۔ بالفرض یہ معاملہ محض دھمکی و رعب ڈالنے کے لیے یہ جماعت اختیار کرنا چاہتی تھی تو ان صاحب کی بیوقوفی سے ان کی دوست جماعت اب باقاعدہ جنگ پر آمادہ ہو جائے گی جو دونوں جماعتوں کے حق میں نہیں ہے۔ کیا ایسی احمقانہ حرکت کسی بھی جماعت کے ذمہ دار افراد پسند کریں گے۔مشہور قول ہے کہ دو جگری دوست بھی اپنا ایسا راز ایک دوسرے پر افشا نہ کریں جو آپسی تعلقات کے بگڑنے پر ذلت و بدنامی کا سبب بنے۔یاد رہے کہ اصل مسئلہ پُرامن بقائے باہم (Peaceful Coexistence) کے بہترین اسباب و ذرائع فراہم کرنے کا ہے۔

دو گروہوں کے درمیان دوسرا رشتہ مدارات کا ہے۔اس رشتۂ انسانیت سے کون انکار کرسکتا ہے۔ چنانچہ مومن کسی بھی عقیدہ و نظریہ کے حامل شخص سے ملے تو اسلامی حکم ہے کہ وہ اس سے رشتۂ مدارات قائم کرے یعنی اس سے اخلاق سے پیش آئے اور اس کی خاطر مدارات میں کوئی کوتاہی نہ کرے۔اگر غیر مسلم اس کا پڑوسی ہے تو اس کے کام آئے اور اس کا سچا خیر خواہ بنے کہ یہی عین اسلام ہے۔

دو گروہوں کے درمیان تیسرا رشتہ مواسات کا ہے یعنی اگر کوئی انسانی بھائی بہن ضرورت مند و محتاج ہے، معذور و لاچار ہے، مفلس و مظلوم ہے تو ہر مومن پر یہ فرض عائد

ہوتا ہے کہ وہ اس کی ہر ممکن مدد کرے کہ یہی ایمان و اسلام کا تقاضا ہے اور اسی کو مواسات کہا جاتا ہے۔ یتیم کی سرپرستی، مسکین و سائلین کی امداد، مسافر کے کام آنا، غریبوں کے دکھ درد میں شریک ہونا، کمزوروں کا سہارا بننا عین اسلامی قدریں ہیں۔ ان تمام امور میں ہمارا عقیدہ کسی کی مدد میں آڑے نہیں آتا۔ ہم پر بلالحاظ مذہب وملت ہر مستضعف کی مدد کرنا لازم ہے، اس لیے کہ وہ ہماری ہر مدد کے مستحق ہیں۔ چنانچہ قرآن پاک واضح کرتا ہے کہ:

وَالَّذِيْنَ فِىْ أَمْوَالِهِمْ حَقٌّ مَّعْلُومٌ لِّلسَّائِلِ وَالْمَحْرُومِ (المعارج/۲۵)	اور (نیک لوگ ایسے ہوتے ہیں) کہ جن کے مالوں میں سائل اور محروم کا حق ہوتا ہے۔
وَفِىْ أَمْوَالِهِمْ حَقٌّ لِّلسَّائِلِ وَالْمَحْرُومِ (الذاریات/۱۹)	اور ان کے (یعنی متقی لوگوں کے) مالوں میں (خصوصی) حق ہے سائل اور محروم کے لیے۔
وَيُطْعِمُونَ الطَّعَامَ عَلَى حُبِّهِ مِسْكِيناً وَيَتِيماً وَأَسِيراً (الدہر/۸)	اور نیک لوگ وہ ہوتے ہیں جو اللہ کی محبت میں مسکین اور یتیم اور قیدی کو کھانا کھلاتے ہیں۔
فَلا اقْتَحَمَ الْعَقَبَةَ وَمَا أَدْرَاكَ مَا الْعَقَبَةَ فَكُّ رَقَبَةٍ أَوْ إِطْعَامٌ فِىْ يَوْمٍ ذِىْ مَسْغَبَةٍ يَتِيماً ذَا مَقْرَبَةٍ أَوْ مِسْكِيناً ذَا مَتْرَبَةٍ (البلد/۱۱-۱۶)	مگر اس نے دشوار گزار گھاٹی سے گزرنے کی ہمت نہ کی۔ اور تم کیا جانو کہ کیا ہے وہ دشوار گزار گھاٹی؟ کسی گردن کو غلامی سے چھڑانا یا فاقے کے دن کسی قریبی یتیم یا خاک نشین مسکین کو کھانا کھلانا۔

مواسات کے جامع مفہوم کی روشنی میں امت مسلمہ تمام دنیائے انسانیت کی ہمدرد و خیر خواہ بھی قرار پاتی ہے خصوصاً جب کہ وہ داعی کے ایک بلند مقام پر فائز بھی ہے۔ اس منصب کی روشنی میں دنیائے انسانیت دو گروہوں میں منقسم ہوتی ہے۔ ایک گروہ داعی ہے اور دوسرا مدعو۔ امت مسلمہ دین حق کی علمبردار، داعی الی الخیر، داعی الی اللہ کے اعلیٰ مقام پر فائز ہے یعنی وہ تمام دنیائے انسانیت کو اللہ کے غضب یعنی جہنم کے راستہ سے نکال کر اس کی رضا یعنی جنت کے راستہ کی طرف بلانے والی جماعت ہے۔ دعوت کا معاملہ نفرت کے بجائے محبت، گرمی کے بجائے نرمی اور لینے کے بجائے دینے اور ایثار و قربانی

کے رویہ کا ہے۔ اس دعوت کے راستہ میں دشمنوں کو دوست بنانا پڑتا ہے اور اپنے نفس پر جبر کر کے رہنا ہوتا ہے، چنانچہ بدلہ لینے کے حق کے باوجود معاف کرنا ہوتا ہے۔ اس راہ میں اخلاق و کردار کی اعلیٰ مثالیں پیش کرنی پڑتی ہیں۔ لہٰذا تعلقات کا یہ رشتہ بالکل الگ اور نرالا ہے۔ مکی دورِ رسالت میں رحمٰن کے بندوں کا مثالی اخلاقی مظاہرہ قرآن کے صفحات میں ثبت ہے اور فتح مکہ کے موقع پر رسالت مآب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا عام عفو ودرگزر کا اعلان بھی تاریخ العرب والعجم نے محفوظ کر رکھا ہے۔ ہم یہاں صرف ایک مکی اور دو مدنی آیات کو پیش کر کے مسلمین کے غیر مسلمین سے اس حقیقی خیر خواہی کے رشتہ کی طرف توجہ دلاتے ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

۱- وَمَنْ أَحْسَنُ قَوْلاً مِّمَّن دَعَا إِلَى اللَّهِ وَعَمِلَ صَالِحاً وَقَالَ إِنَّنِي مِنَ الْمُسْلِمِينَ وَلَا تَسْتَوِي الْحَسَنَةُ وَلَا السَّيِّئَةُ ادْفَعْ بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ فَإِذَا الَّذِي بَيْنَكَ وَبَيْنَهُ عَدَاوَةٌ كَأَنَّهُ وَلِيٌّ حَمِيمٌ (حم السجدہ/۳۳-۳۴)

(اور اس شخص کی بات سے اچھی بات اور کس کی ہوگی جس نے اللہ کی طرف بلایا اور نیک عمل کیا اور کہا کہ میں مسلمان ہوں۔ اور (اے نبی) نیکی اور بدی یکساں نہیں ہیں۔ تم بدی کو اس نیکی سے دفع کرو جو بہترین ہو، تم دیکھو گے کہ تمہارے ساتھ جس کی عداوت پڑی ہوئی تھی وہ جگری دوست بن گیا ہے۔)

۲- وَلْتَكُن مِّنكُمْ أُمَّةٌ يَدْعُونَ إِلَى الْخَيْرِ وَيَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنكَرِ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ (آل عمران/۱۰۴)

((اے امت مسلمہ) تم لوگوں کو ایسی امت میں ڈھل جانا چاہیے جو نیکی کی طرف بلائیں، بھلائی کا حکم دیں اور برائیوں سے روکتے رہیں اور یہی لوگ کامیاب رہیں گے۔)

۳- وَاعْبُدُوا اللَّهَ وَلَا تُشْرِكُوا بِهِ شَيْئاً وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَاناً وَبِذِي الْقُرْبَىٰ وَالْيَتَامَىٰ وَالْمَسَاكِينِ وَالْجَارِ ذِي الْقُرْبَىٰ وَالْجَارِ الْجُنُبِ وَالصَّاحِبِ بِالْجَنبِ وَابْنِ السَّبِيلِ وَمَا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ مَن كَانَ مُخْتَالاً فَخُوراً (النساء/۳۶)

(اور تم سب اللہ کی بندگی کرو، اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ بناؤ، ماں باپ کے ساتھ

نیک برتاؤ کرو، قرابت داروں اور یتیموں اور مسکینوں کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آؤ، اور پڑوسی رشتہ دار سے، اجنبی ہمسایہ سے، پہلو کے ساتھی اور مسافر سے، اور ان لونڈی غلاموں سے جو تمہارے قبضہ میں ہوں، احسان کا معاملہ رکھو، یقین جانو اللہ کسی ایسے شخص کو پسند نہیں کرتا جو اپنے پندار میں مغرور ہو اور اپنی بڑائی پر فخر کرے۔)

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے تمام انسانوں کی جان، مال عزت آبرو کو محترم قرار دیا ہے اور تمام انسانوں کے ساتھ عدل وانصاف کا معاملہ کرنے، خندہ پیشانی سے ملنے، اخلاق ومروت کا ہر وقت دامن تھامے رکھنے کا حکم دیا ہے۔ نیز ہر مظلوم ومستضعف کی مدد کرنے، ہرانسان کے وقت ضرورت کام آنے اور حسن سلوک کا معاملہ اختیار کرنے کی ہدایت دی ہے۔ مزید برآں امت مسلمہ کے ہر فرد کو ہر شخص کے ساتھ نیکی وتقویٰ میں تعاون کرنے اور گناہ اور عدوان میں عدم تعاون کا پابند کیا ہے اور اس امت کو دعوت الی الخیر، تواصی بالحق وتواصی الصبر کی راہ پر گامزن رہنے کا حکم دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو بین الانسانی رابطوں کو قرآنی نہج پر استوار کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔ ثم آمین۔

حواشی ومراجع

۱۔ قرآن مجید میں البر، اور اس کے مشتقات ۱۷ آیات میں آئے ہیں۔ ایک جامع آیت لَيْسَ الْبِرَّ (البقرہ/۱۷۷) اور دوسری آیت لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ (آل عمران/۹۲) کے ذریعہ کتاب اللہ میں بالترتیب اس کی حقیقت اور کمال کو واضح کیا گیا ہے۔

۲۔ تقویٰ قرآن مجید کی ایک بہت ہی کثیر الاستعمال اصطلاح ہے جس کے لغوی معنی بچنے اور ڈرنے کے ہیں اور اصطلاحی معنی اللہ کے غضب سے بچنے، جہنم اور گناہوں سے بچنے اور اللہ تعالیٰ سے خوف کی کیفیت اور پرہیزگاری کے ہیں۔ اس کے مختلف مشتقات قرآن میں وارد ہوئے ہیں۔ مثلاً تتقون، تتقوا، اتقوا، اتقی، وقا، متقین، تقویٰ وغیرہ جن کی تعداد قرآن حکیم میں دو سو چالیس تک پہنچتی ہے۔

۳۔ اثم کے معنی گناہ کے ہیں جو قرآن میں بعینہ ۳۵ جگہ آیا ہے اور مختلف مشتقات کے ساتھ کل

۵۰ جگہ استعمال ہوا ہے۔

۴۔ عدوان، عدو اور عداوت سے مشتق ہے اور قرآن مجید میں ۸ جگہ ملتا ہے۔

۵۔ المنکر، قرآن مجید کی اصطلاح ہے جو المعروف کی ضد ہے۔ یہ لفظ قرآن مجید میں پندرہ جگہ بعینہ استعمال ہوا ہے۔

۶۔ المعروف بھی قرآن مجید کی اصطلاح ہے جس کا اطلاق ہر اس فعل پر ہوتا ہے جسے ہر زمانہ میں مہذب سماج نے اچھا سمجھا ہے مگر قرآن اس کو تقدس عطا کر کے اپنے پسندیدہ اعمال کی لسٹ میں ڈال دیتا ہے۔ یہ اصطلاح قرآن حکیم میں ۳۸ جگہ استعمال ہوئی ہے۔

۷۔ العدل انصاف کے معنیٰ میں استعمال کیا جاتا ہے جب کہ اس کے لغوی معنی جس کا جو حق ہو اس کے بقدر دے دینا ہے۔ قرآن مجید میں یہ لفظ ۲۸ جگہ استعمال ہوا ہے۔

۸۔ القسط، یوں تو عدل کی ہم معنیٰ اصطلاح ہے مگر اس میں ایک لطیف فرق ہے اور وہ یہ کہ اس میں توازن کا پہلو ابھرا ہوتا ہے جب کہ عدل ظلم کی ضد ہے۔ قرآن مجید میں القسط ۲۵ جگہ آیا ہے۔

۹۔ الاحسان، حَسَنَ، حُسْنٌ سے ہے اور اس کے معنی حق سے زیادہ دیدینے کے ہیں اور نیکوکاری اور خوب کاری کے معنی میں بھی یہ لفظ استعمال ہوا ہے۔ قرآن مجید کی یہ ایک کثیر الاستعمال اصطلاحوں میں سے ہے اس کے مختلف مشتقات کتاب اللہ میں ۱۹۳ جگہ آئے ہیں۔

۱۰۔ الفحشاء، فحش، فاحشہ اور فواحش کھلی بے حیائی اور اخلاقی گندگی کے لیے عموماً استعمال ہوتا ہے۔ قرآن کریم میں یہ اصطلاح مع اپنے دوسرے مشتقات کے ۲۴ جگہ موجود ہے۔

۱۱۔ الحق، حق بھی ایک جامع اور بہت ہی کثیر الاستعمال اصطلاح ہے جو فرض کے مقابلہ میں بھی مستعمل ہے اور حقائقِ کائنات اور اللہ تعالیٰ کے وجود برحق کے لیے بھی۔ اس کے مختلف مشتقات قرآن حکیم میں ۲۸۳ جگہ پائے جاتے ہیں۔

۱۲۔ اولیاء (جمع) ولی (واحد) کے دو معنیٰ ہیں اولاً رفیق ودوست ثانیاً کارساز۔ یہ لفظ بھی قرآن میں متعدد بار آیا ہے اور ۱۰۰ سے زیادہ آیات میں اس کے مختلف مشتقات ملتے ہیں۔ اس کی اصل ولایت ہے۔